خلافت راشدہ کا عدالتی نظام

مفتی عبید اللہ [1]

Abstract

In the Islamic worldview, justice denotes placing things in their fair place. It also means giving others equal treatment. In Islam, justice is also a moral virtue and an attribute of human personality, as it is in the Western custom. Justice is close to equality in the sense that it creates a state of symmetry in the distribution of rights and duties, but they are not identical. Sometimes, justice is achieved through inequality, like in unequal distribution of wealth.

The judicial administration, like the rest of the administrative structure of the Rashidun Domain, was set up by Umar, and it remained basically unchanged throughout the duration of the Caliphate. In order to provide adequate and speedy justice for the people, justice was administered according to the principles of Islam.

Consequently, Qadis (judges) were appointed at all administrative levels. The Qadis were chosen for their integrity and learning in Islamic law. Rich men and men of high social status, compensated highly by the Caliphate, were appointed in order to make them resistant to bribery or excessive impact based on social position. The Qadis also were not allowed to engage in trade. Judges were appointed in sufficient number to staff every district with at least one.

اسلامی معاشرے میں انصاف کے حصول کے لیے عدالت کی طرف رجوع آخر چارہ کار کے طور پر کیا جاتا ہے ۔ جب مفاہمت ، مصالحت ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تحکیم وغیرہ کے تمام تر مراحل عبور کرنے کے باوجود انصاف نہ مل سکے تو پھر عدالت کا دروازہ کھٹکٹانا ناگزیر ہو جاتا ہے ۔ امر واقع یہ ہے کہ ان تدریجی مراحل سے جب کوئی تناز گزر کر عدالت کے مرحلے تک پہنچے کا تو پھر عدالتی نظام حرکت میں آئے گا اور اسے انصاف فراہم کرے گا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے مقدمات کا فیصلہ بحسن و خوبی باہمی افہام و تفہیم سے ہی ہو جائے گا اور جب مقدمات کی تعداد کم ہوگ تو عدالتوں کے لیے انصاف کی فراہمی بھی آسان ہو جائے گی۔

خلفائے راشدین سربراہ مملکت کی حیثیت میں تمام مسلمانوں سے ایک جیسا سلوک کرتے تھے.... بڑے لوگوں اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں تھا اگر کسی حکومتی عہدے دار کے خلاف کوئی شکایت ملتی تو فوراً خود اس کی تحقیق کرتے.... اور ذمہ داروں کو باقاعدہ سزا دیتے ، حتی کہ اگر کسی عہدے دار پر کوئی تہمت لگ جاتی تو فوراً اُسے معزول کردیتے تاکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ اور اس کا عہدہ، عدل کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

---

[1] اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ الحمد اسلامک یونیورسٹی

1. حضرت ابوبکر صدیق کا عدالتی نظام :

رسول اکرم اور حضرت ابوبکرکے عہد میں محکمہ قضا میں کافی حد تک مماثلت تھی تام دونوں ادوار میں عدلیہ کا شعبہ علاقے کے والی اور حاکم کے سپرد ہوتا تھا ۔ ابتداء میں حضرت ابوبکر مدینہ منورہ کے فیصلے خود کرتے ، لیکن بعد میں حضرت عمر کو مدینہ کا قاضی مقرر کر دیا ۔

حضرت ابوبکر صدیق کی عدلیہ کے متعلق پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے قاضی ابن عرنوس کے حوالے سے درج ذیل تصریح فرمائی ہے :

> " آپ کے سامنے جب کوئی تنازعہ پیش ہوتا تھا تو سب سے پہلے آپ قرآن مجید ہی کی طرف رجوع فرماتے تھے ۔ پھر رسول اللہ کے اقوال سے مدد لیتے ۔ اگر آپ کو ایسا کوئی قول نہ ملتا ، تو صحابہ کرام کے مجمع میں آکر دریافت کرتے کہ فلاں معاملے میں کسی کورسول کا عمل معلوم ہو تو اطلاع دے ۔ جب ایسا کوئی عمل نہ ملتا تو صحابہ کرام میں سے جو اہل الرائے اور بزرگ تھے ۔ انہیں جمع کر کے مشورہ کرتے جس رائے پر اکثریت متفق ہو جاتی اسی کے مطابق فیصلہ کردیتے ۔
>
> حضرت عمر بنی اپنے دور خلافت، اسی طریقے پر عمل کرتے تھے ۔ اگر انہیں کتاب و سنت کے کسی فیصلے کا علم نہ ہو سکتا تھا تو وہ حضرت ابو بکر صدیق کے فیصلوں کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے لیکن اگر اس بارے میں حضرت ابوبکر کا بھی کوئی فیصلہ نہ ملتا تو سرکردہ صحابہ کو جمع کرکے وہ معاملہ ان کے سامنے رکھتے تھے اور ان کی رائے پر عمل کرتے "۔ 1ے

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد صدیقی میں حضرت ابوبکر صدیق مقدمات کے فیصلے خود فرماتے تھے ۔ لیکن جب ریاست کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو صدیق اکبر نے قضاء کا شعبہ حضرت عمر کے سپرد کر دیا ۔ذیل میں عہد صدیقی کے چند فیصلے ذکر کیے جارہے ہیں جس سے عہد صدیقی کی عدلیہ کی نوعیت واضح ہوجائے گی ۔ کنزل العمال میں صدیق اکبر کے فیصلوں کے متعلق درج ذیل روایت بیان ہوئے :

> "حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور پہلی جماعت قسامت میں قتل نہیں کرتے تھے"۔2ے

مذکورہ بالا روایت میں قسامت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آبادی کے قریب کوئی لاش پڑی ملے اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چل سکے ایسی صورت میں اس آبادی کے افراد سے قسم لی جائے گی ۔ چونکہ قاتل کا پتہ نہیں اس لیے ایسے فیصلے میں حضرت ابوبکرصدیق نے اہل علاقہ سے تعارض نہ فرمایا اور حق و انصاف کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا ۔اسی طرح کنزل العمال ہی میں دوسری روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ کے نقل ہوئی ہے :

> "عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر فرمایا کرتے تھے: آقا کو اپنے غلام کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے البتہ اسے مارا جائے اور

اسے لمبی سزا دی جاوے اور (بیت المال یا مال غنیمت سے) اسے محروم رکھا جائے "۔3ـہ

کان کی دیت کے متعلق ابن ابی شیبہ میں ایک روایت کچھ یوں آئی ہے :

"حدثنا محمد بن بکر، عن ابن جریج، عن ابن طاؤوس، عن ابیہ ، قال: قال ابوبکر: فی الاذن خمس عشرۃ من اجل انہ لیس یضر سمعھا ، ویغشیھا الشعر **والعمامۃ"۔**4ـہ

"حضرت طاؤسؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا کہ کان میں پندرہ اونٹ ہیں ، کیونکہ اس سے سننے میں نقص نہیں ہوتا ، اور اس کو بال اور پگڑی ڈھانپ لیتے ہیں"۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کے ایک اور عدالتی فیصلے کے متعلق مصنف ابن ابی شیبہ میں زبان کے کٹ جانے کی دیت سے متعلق درج ذیل روایت بیان ہوئی ہے :

"حدثنا محمد بن بکر، عن ابن جریج، عن عمرو بن شعیب ، قال : قضی ابوبکر الصدیق فی اللسان اذا قطع بالدیۃ ، اذا اوعب من اصلہ ، واذا قطعت اسلنہ فتکلم صاحبہ، ففیہ نصف الدیۃ"۔5ـہ

"حضرت عمر بن شعیب کا ارشاد ہے کہ حضرت ابوبکر نے زبان جڑ سے کٹ جائے تو دیت کاملہ کا اور اگر کٹ جائے اور صاحب لسان بات کر سکے تو آدھی دیا کا فیصلہ فرمایا "۔

اس ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق کے عہد دوسری مثال ریاستی امور کے بہتات کے باعث حضرت عمر کا قضا کے شعبہ کو سنبھالنے اور ایک مقدمہ میں سنوائی کا ہے جس کو کنزل العمال میں روایت کیا گیا ہے :

"علی بن ماجدہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مکہ میری ایک غلام سے مڈبھیڑ ہوگئی اس نے میرا کان کاٹ ڈالا میں نے اس کا کان کاٹ لیا تھا ۔ جب حضرت ابوبکر ہمارے ہاں حج کے لئے تشریف لائے تو ہمارا مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا ، آپ نے فرمایا : انہیں عمر کے پاس لے جاؤ ۔ اگر زخمی کرنے والا اس حد کو پہنچا ہے کہ اس سے بدلہ لیا جائے تووہ بدلہ لے لے ، جب ہمیں حضرت عمر کے پاس پہنچایا گیا آپ نے ہمیں دیکھا اور فرمایا ہاں ! یہ قصاص کی حد تک پہنچ گیا ہے میرے پاس حجام کو بلاؤ"۔6ـہ

اسی طرح ناک کی دیت کے متعلق کنزل العمال میں حضرت ابوبکر صدیق کا عدالتی فیصلہ مرقوم ہے :

" علی بن ماجدہ سے روایت ہے فرماے ہیں : میری ایک غلام سے لڑائی ہوگئی دوران لڑائی میں نے اس کی ناک کاٹ دی ، پولیس نے مجھے حضرت ابوبکر

کی خدمت میں پیش کیا ، آپ نے میرے بارے میں غور وخوض سے کام لیا تو قصاص میری سزا نہ ملی تو میرے عاقلہ پر دیت لازم کی ‘‘۔7؎

زخموں کے قصاص کے متعلق حضرت ابوبکرصدیق نے جو فیصلہ سنایا ہے کنزل العمال کی روایت میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے :

’’عمرو بن شعیب سے روایت ہے فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر و عمر نے جو فیصلہ کیا وہ یہ ہے کہ پاؤں والا اگر اپنے پاؤں کو پھیلائے تو اسے سمیٹ نہ سکے یا سمیٹ تو سکے لیکن پھیلا نہ سکے یا زمین سے اٹھ جائے اس تک پہنچ نہ پائے تو اس کی دیت پوری ہے پس جتنی کم اس کا حساب ہوگا ۔ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ہاتھ کے زخم کے بارے جو فیصلہ فرمایا یہ ہے کہ جب آدمی اس سے کھا نہ سکے ، ازار نہ پہن سکے ، استنجا نہ کر سکے تو اس کی دیت پوری ہوگی جو کم ہو اس کا حساب لگایا جائے ‘‘۔8؎

حضرت ابوبکر صدیق کے مذکورہ بالا فیصلوں سے اس عہد کے عدالتی نظام کے درج ذیل نکات پر روشنی پڑتی ہے جو درج ذیل ہیں:

1۔ قرآن و سنت کے احکام متابعت میں ایسا عدالتی نظام رائج کیا گیا تھا کہ خلیفہ وقت خود منصف بھی تھے اور لوگوں ، علاقوں اور اداروں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کافیصلہ بھی فرماتے تھے ۔

2۔ عدلیہ کی آزادی کا واضح عکس مذکورہ بالا فیصلوں میں دیکھا جاسکتا ہے ۔ کہ عدالتی فیصلوں پر کوئی بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ایسی جرات کر سکتا تھا ۔

3۔ عدالت کی علیحدگی اختیارات اور خود مختاری ان فیصلوں میں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے ۔ نیز عہد صدیقی کا عدالتی نظام رسالت مآب کے عہد کی آئینہ داری کرتا تھا ۔ اور یہ کہ اس عہد کی عدلیہ نے بعد میں قائم ہونے والے محکمہ قضاء کے لیے بنیادی واصولی نوعیت کاکام کیا ۔ان اصولوں کی روشنی میں بعد کے ادوار میں عدلیہ کی تشکیل و تنظیم ممکن ہوئی ۔

4۔ ریاستی ذمہ داریوں کے پیش نظر بحیثیت ریاست کے خلیفہ کے سیدنا ابوبکر صدیق نے قاضی کے اختیار حضرت عمر کو سونپ دیئے ۔ جن کی نظیر اس عہد صدیقی میں حضرت عمر کے فیصلوں میں دیکھی جاسکتی ہے اور اس کی مثالیں بھی اوپر بالا روایات میں بیان کی جا چکی ہیں ۔

5۔ عہد صدیقی گوناگوں مشکلات و مصائب سے دو چار عہد تھا ، ہر طرف سے سازشوں اور فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا ۔ جن سے نبردآزما ہونا اتنا آسان کام نہیں تھا تاہم اس کے باوجود شعبہ قضاء کا پوری تندہی سے فعال ہونا اور لوگوں کے باہمی تنازعات کے تصفیہ کرنا ، مقدمات کی شنوائی وغیرہ ۔ تاہم انصاف کی فراہمی کو عہد صدیقی میں اولین ترجیح حاصل رہی جو قرآن وسنت کے عین مطابق تھی ۔ اور ان تقاضوں کو پورا کرنے والی تھی ۔

عہد صدیقی کی عدلیہ پر مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑا ہی سیر حاصل تبصرہ اپنی کتاب "اسلامی ریاست " فرمایا ہے جس کا یہاں ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا :

” ان دونوں بزرگوں کا ایک پہلو پر اس شد ومد سے زور دینا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی اہمیت پر خاص طور کیا جائے ۔ جہاں تک ہر شہری کے لیے انصاف مہیا کرنے کا تعلق ہے ۔ یہی دعویٰ اس زمانے کی جمہوری حکومتیں بھی کرتی ہیں لیکن انہوں نے انصاف حاصل کرنے کے لیے جو نظام بنائے ہیں وہ ایسے بنائے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے اگر انصاف حاصل کر سکتے ہیں تو وہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے نہایت وسیع وسائل و ذرائع رکھتے ہوں ۔ بے اثر اور بے وسیلہ لوگوں کے لیے ان کے اندر انصاف حاصل کر سکنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے ۔ لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اپنے نظام عدالت کی جس خاص خصوصیت پر زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا دروازہ ایک غریب اور ایک امیر ، ایک بااثر اور ایک بے اثر ، دونوں کے لیے یکساں کھلا ہواہے ، یہ نہیں ہے کہ وہ صرف سونے اور چاندی کی کنجیوں ہی سے کھل سکتا ہو اور جن کے پاس سونے اور چاندی کی یہ کنجیاں موجود نہ ہوں وہ اس کے اندر بار ہی نہ پاسکتے ہوں ۔ اس نظام کی تشکیل دکانداری کے اصول پر نہیں ہوئی ہے کہ اس کے اندر لوگون کا تو خیر مقدم ہو جو گرہ میں مال رکھتے ہوں ، اگرچہ وہ مظلوم ہونے کے بجائے ظالم ہی ہوں ، اور وہ لوگ دھکے کھاتے پھریں جو مفلس اور نادار ہوں ۔ اگرچہ ان کے اوپر کتنا بڑا ظلم ڈھایا گیا ہو ۔ اس نظام کے اندر سارا احترام حق اور صرف حق کے لیے ہے ۔ اگر ایک شخص کا حق چھینا گیا ہےت و مجر د یہ بات کہ وہ مظلوم ہے اس کو حق دار بنادیتی ہے کہ وہ اسلامی نظام قضا کی ایک چھوٹی سے چھوٹی عدالے سے لے کر اس کے ہائیکورٹ اور اس کے سپریم کورٹ تک سب کو متحرک کر دے ۔ انصاف حاصل کرنے کے لیے نہ کورٹ فیس کا کوئی سوال ہے نہ وکالت کی فیس کا ۔ صرف یہ بات کہ وہ مظلوم ہے اور دادرسی کا محتاج ہے اس کی امداد کے لیے پورے نظام کو اس وقت تک سرگرم کار کردے گی جب تک اس کی دادرسی کا حق ادا نہ ہوجائے “۔ 9ـہ

عہد صدیقی ایک درخشاں عہد تھا جس میں ادارے اپنے ابتدائی مرحلہ سے گزر رہے تھے ان کی نوعیت قرآن و سنت کے احکامات میں نہایت ہی بنیادی اور اصولی تھی ۔ جس کی بنا پر مستقبل میں اسلام کے شعبہ عدل نے قائم ہونا تھا ۔

2. حضرت عمر فاروق کا عدالتی نظام :

عہد فاروقی عدل و انصاف کے حوالے سے ایک مثالی عہد تھا ۔ اور آپ کا عدل و انصاف ضرب المثل تھا ۔ یہی وہ عہد ہے جس میں عدلیہ کو باقاعدہ طور پر الگ حیثیت حاصل ہوئی ۔ اور قضاۃ کا تقرر ہو ا ان کے تقرری کے شرائط متعین ہوئی ۔ اس عہد کی عدلیہ پر تبصر ہ کرتے ہوئے پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے درج ذیل تبصرہ فرمایا ہے :

”حضرت عمر کا عدل آج تک ضرب المثل بنا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے ۔ اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لا گ سوجھ

بوجھ، باریک بینی ، اور محاسبہ نفس کی ضرورت ہوتی ہے ، اسے خوب جانتے تھے“-10ے

سید نا عمر فاروق نے عدالتی معاملات میں ایک اہم اصول مرتب فرمایا جو اسلامی عدلیہ کے ارتقاء میں ایک اہم سنگ میل کی اہمیت رکھتا ہے ۔ کتاب الخراج میں یہ روایت یوں بیان ہوئی ہے :

”قال وحدثنا منصور عن ابراهيم قال : قال عمربن الخطاب رضی لان اعطل الحدود فی الشبهات خير من اقيمها فی الشبهات“- 11ے

”(سیدنا) عمر بن خطاب نے فرمایا : شبہات کی بنا پر حدود کو معطل کردینا میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں شبہات کے باوجود انہیں قائم کر دوں“۔

اس طرح سزائے موت میں خصوصی احتیاط سے متعلق حضرت عمر کا فیصلہ کتاب الخراج میں بیان کیا گیا ہے ۔مذکورہ کتاب میں روایت ہے:

”قال: و حدثنا الحسن بن عبد الملک بن ميسرة عن النزال بن سبرة قال: بينما نحن

بمنی مع عمر اذا مراة ضخمة علی حمال تبکی، قدکان الناس من يقتلوها من الزحمة عليها وهم يقولون لها : زنيت زنيت ، فلما انتهت الی عمر قال: ما شانک ، ان المراة بما استكرهت“۔

”نزال بن سبرہ نے کہا کہ : "ایک بار ہم (سیدنا عمر کے ساتھ منی میں تھے کہ اس دوران ایک بھاری جسم والی عورت ایک گدھے پر بیٹھی روتی ہوئی آئی ، اس کے اردگرد لوگوں کے ازدحام کا یہ عالم تھا کہ قریب تھا کہ وہ بھیڑ میں کچل کر مر جائے، لوگ اس سے یہ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے ، جب وہ عمر کے قریب پہنچی تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے ؟ عورت کبھی ز نا پر مجبور بھی کر دی جاتی ہے“؟۔

”قالت : کنت امراة ثنيلة الراس و کان الله يزقنی من صلاة الليل، فصليت ليلة ثم نمت فوالله ما ايقظنی الا رجل قدر کبنی۔ ثم نظرت اليه مقعيا ما ادری من هو من خلق الله فقال عمر: لو قتلت هذه خشيت علی الاخشبين النار، ثم کتب الی امراء الامصار ان لا تقتل نفس دونه“۔ 12ے

” اس نے جواب دیا : مجھے بہت گہری نیند آتی ہے ، اور اللہ نے مجھے رات کی نماز ادا کرنے کی بھی توفیق دی ہے ، ایک رات ایسا ہوا کہ میں نماز ادا کرکے سو گئی پھر اللہ کی قسمً اس وقت آنکھ کھلی جب ایک آدمی مجھ پر سوار ہو چکا تھا ، پھر میں نے اسے آگے کو جھکا ہو بیٹھا دیکھا لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کون آدمی تھا، یہ سن کر عمر نے کہا کہ : اگر یہ عورت (زنا کی سزا میں) قتل کر دی جاتی تو مجھے اس بات کا اندیشہ لاحق ہو جاتا کہ جہنم کی آگ

ان دونوں پہاڑوں پر نہ اتر آئے ، پھر آپ نے تمام مرکزی شہروں کے امراء کو یہ لکھ بھیجا کہ معاملہ کو آپ کے سامنے پیش کئے بغیر کسی فرد

کو قتل کی سزا نہ دی جائے ‘‘۔

عہد فاروقی ہی وہ عہد ہے جس میں عدلیہ کو حکومت کے دوسرے شعبہ سے علیحدہ کیا گیا۔ متمدن دنیا کا اولین تقاضا یہ ہے کہ عدلیہ کا شعبہ باقی تمام شعبوں سے علیحدہ اور خودمختار حیثیت کا حامل ہو ۔ عہد فاروقی کو اگر متمدن دنیا کی عدلیہ کی اساس کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ حضرت عمرفاروق کی عہد کی عدلیہ پر محمد عبداللہ مدنی صاحب نے بڑا ہی سیر حاصل تبصر ہ فرمایا ہے :

’’ یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت ، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے ، دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوتے ، مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی ، لیکن حضرت عمر نے خلافت کے چند سال بعد اس صیغے کو الگ کر دیا ۔ حضرت ابوبکر کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضا کا بھی کام کرتے تھے ۔ حضرت عمر نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضروری تھا ۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا ۔ ہر صیغے کا اجراء رعب وداب کا محتاج رہتا ہے ۔ اس لیے فصل قضایا کا وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیا ر نہ ہو ۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص باثر اور صاحب عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے ، بلکہ اسی بناء پر عبد اللہ بن مسعود فصل قضایا سے روک دیا ۔ ہ

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمر نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کردیا ، تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں ، اور قاضی مقرر کیے ان کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے ‘‘۔13ہ

حکومت کے شعبہ جات کی علیحدگی کی اختیارات کی اعلیٰ مثال حضرت عمر کے عہد میں ملتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ قاضی اور فصل قضایا کے اصولی رہنمائی میں بھی مذکورہ بالا عبارت میں موجود ہے ۔

حضرت عمر نے قضاۃ کے انتخاب میں دوسری سرکاری اہلکاروں کے انتخاب کی طرح بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ اپنی وہبی صلاحیتوں کا استعمال فرمایا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شریعت وفقہ کے عالم تھے اور اس باب میں ان کی نظر اتنی گہری تھی کہ کوئی دوسرا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ۔ حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ اگر حضرت عمر کا علم ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور عرب کے تمام قبائل کا علم دوسرے پلڑے میں ، تو بھی حضرت عمر کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا ۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں حضرت عمر اسلام

لانے سے پہلے قریش کے عہدہ سفارت پر مامور تھے ۔ اسلام لانے کے بعد ہر وقت رسول اللہ □ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی نبی کریم □ پر نازل ہوتی ، اسے حضور □ سے سیکھتے ، اور آپ□ کی سنت و قضاۃ سےواقفیت بہم پہنچاتے ۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کے جوہر پہچاننے اور ان کے بعض کاموں سے ان کی خصوصیات معلوم کرنے کا ملکہ تھا ۔ قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی بنائے جانے کا فیصلہ اس کا بہترین ثبوت ہے ۔

محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب میں عہد فاروقی کے عدلیہ کا نقشہ اپنی کتاب میں ان الفاظ میں کھینچا ہے:

> ” قبیلہ غسّان کے امیر جبلہ بن ایہم نے جب ایک بدوی کو تھپڑ مارا تو آپ نے اس مغرور امیر سے بدلہ دلوانے کا حکم دیا ۔ محمد بن عمرو□ بن العاص نے ایک مصری کو تازیانے مارے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے کہ لے میں بڑوں کی اولاد ہوں ۔ حضرت عمرو□ بن العاص نے اس مصری کو قید کر دیا کہ مباداوہ امیر المومنین سے ان کے بیٹے کی شکایت نہ کر دے ۔ جب وہ قید سے چھوٹا تو سیدھا مدینہ منورہ پہنچا اور حضرت عمر□ سے شکایت کی ۔ حضرت عمر□ نے اسے تو اپنے پاس ٹھہرالیا ۔ اور ابن عاص اور ن کے بیٹے کو مصر سے بلا کر مجلس قصاص میں طلب کیا (خیال رہے کہ مجلس قصاص کوئی علیحدہ عمارت نہ تھی بلکہ اس دور میں دوسرے تمام امور کی طرح اس کے اجلاس بھی مسجد نبوی□میں ہوتے تھے ۔
>
> جب دونوں باپ بیٹے مجلس قصاص میں پیش ہوئے تو حضرت عمر□ نے بلند آواز میں فرمایا " مصری کہاں ہے؟ ۔ لے یہ کوڑا اور بڑوں کی اولاد کو مار"۔ جب وہ جی بھر کر مار چکا اور کوڑا امیر المومنین کو واپس کرنے لگا ، تو حضرت عمر□ نے اسے فرمایا :" عمرو بن العاص□ کی چند یا پر مار ، خدا کی قسم بیٹا تجھے ہر گز نہ مارتا ، اگر اسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا ۔ " ابن عاص □ نے کہا : " امیر المومنین آپ بھر پور سزادے چکے ہیں " اور مصری نے کہا" امیر المومنین ! جس نے مجھے مارا تھا، میں نے اس سے بدلہ لے لیا "۔ حضرت عمر □ نے فرمایا : " قسم ہے خدا کی اگر تو ابن عاص□ کو مارتا ، تو ہم اس وقت تک بیچ میں نہ آتے ، جب تک تو خود ہی اپنا ہاتھ نہ روک لیتا ۔ اور عمرو□ بن عاص کی طرف مخاطب ہو کر غضبناک لہجے میں فرمایا :" عمرو□ ! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے ۔ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا “ ۔14ـہ

قانون کے مساوات اور بے لاگ عدل و انصاف کی فراہمی کی یہ شاندار مثال ہے ۔ مذکورہ بالا عبارت سے یہ اصولی حکم مستنبط ہوتا ہےکہ قانونی مساوات عدل و انصاف کے لیے اولین شرط ہے ۔ جس کی مثال عہد فاروقی کا درخشاں عہد ہے ۔ قانونی کی فوری اور یکساں فراہمی اسلامی ریاست کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گورنر کے بیٹے کو بھی سزا دی گئی اور مجمع عام میں دی گئی ہے ۔

حضرت عمر فاروق نے قضاۃ اور قواعد عدالت کے متعلق بڑے ہی اصولی اور بنیادی نوعیت کے

احکامات دئیے ہیں ۔ جو عہد جدید کی عدلیہ کی اساس اور بنیاد ہے ۔ آپ نے درج ذیل عدلیہ سے متعلق درج ذیل اصولی

احکامات وضع فرمائے :

1۔ انصاف کی بروقت اور یکساں فراہمی قاضی کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے ۔

2۔ مدعی کے متعلق فرمایا کہ ثبوت فراہم کرنے کی ذمہ داری اس کی ہے ۔

3۔ اور مدعا علیہ کے پاس اگر کوئی ثبوت نہیں تو اس سے قسم لی جائے گی ۔

4۔ فریقین کو صلح کا اختیار حاصل ہے بشرطیکہ وہ قانون کے خلاف نہ ہو ۔

5۔ قاضی کو اپنے کسی بھی سنائے ہوئے فیصلہ میں نظر ثانی کا اختیار حاصل ہے ۔

اس ان امور کو حضرت عمر کے الفاظ میں جناب محمد عبد اللہ مدنی صاحب نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

''خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے ۔ لوگوں کو اپنے حضور میں ، اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو ، تاکہ کمزور، انصاف سے مایوس نہ ہو اور زور آور کو تمہاری رو رعایت کی امید نہ پید ا ہو ، جو شخص دعویٰ کرے ، اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم ، صلح جائز ہے ۔ بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال ، حرام نہ ہونے پائے ، کل اگر تم نے کوئی فیصہ کیا ، تو آج غو ر کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو ، تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو۔ پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک معیاد مقرر کرو، اگر وہ ثبوت نہ دے تو اس کا حق دلاؤ ، ورنہ مقدمہ خارج ، مسلمان سب ثقہ ہیں ۔ بااستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں ''۔15ے

اسی طرح طلاق ثلاثہ کے متعلق حضرت عمر کے عدالتی فیصلے اور ان کے معاملہ فہمی کے حوالے سے اسلام کے میں عدل کے ضابطے میں درج ذیل تصریح فرمائی گئی ہے :

'' حضرت عمر نے ایک ساتھ تین طلاق دینے والے پر تینوں کو ہی نافذ کر دیا تھا ۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے لیکن جب لوگ کثر ت سے تین طلاق ایک ہی موقع پر دینے لگ گئے تو آپ نے سزا کے طور پر تینوں طلاق کو نافذ کر دیا ۔ا ور صحابہ کرام نے بھی اس فیصلے کی کی موافقت کی تھی حضرت عمر نے خود اس بات کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ یہ نفاذ سزا کے طور پر ہے ۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ۔ "لوگوں کے لیے جس چیز میں نرم

اور تاخیر مقصود تھی وہ اس میں جلدی مچانے لگے ہیں کیوں نہ ہم انہیں نافذ ہی کر دیں"۔ چنانچہ انہوں نے تین طلاق کو نافذ فرمادیا تاکہ لوگ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے سے رک جائیں کیونکہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا اگر کسی نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے دیں تو وہ تینوں نافذ ہوجائیں گی۔ اور پھر اسے اپنی بیوی کو زوجیت میں باقی رکھنے کا اختیار باقی نہیں رہیگا تو وہ رک جائے گا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انکا یہ نفاذ سزا اور مصلحت کی وجہ سے تھا۔ جسے وہ سمجھتے تھے یہ نہیں ہوسکتا کہ ان پر یہ بات واضح نہ رہی ہو کہ رسول اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں اس قسم کی طلاق ایک ہی شمار ہوتی رہی ہے ۔ پھر لوگ بکثرت طلاق دینے لگ گئے ۔ یہ صورت اللہ تعالیٰ کی آیات کیساتھ تمسخر و استہزاء کے مترادف تھی ۔ چنانچہ مسند امام احمد اور سنن نسائی وغیرہ میں محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں ۔ حضور کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا ۔"کتاب اللہ کے ساتھ یہ مذاق! درآنحالیکہ میں ابھی تم میں موجود ہوں "۔؟ایک شخص نے عرض کی ۔ یا رسول اللہ ! کیا میں اس شخص کی گردن مار دوں“۔16ے

کنز العمال میں حضرت عمر کے دیت و قصاس سے متعلق ایک عدالتی فیصلے کی روایت نقل ہوئی ہے جس کا ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے :

” حضرت عمر سے روایت ہے فرمایا : غلام کا بدلہ آزاد سے نہ لیا جائے ، البتہ عورت مرد سے ہر اس قصد کے بدلہ لے سکتی ہے جو جان کے ضیاع یا زخم تک پہنچ جائے، پھر اگر وہ لوگ قتل پر صلح کر لیں تو عورت کی دیت میں ، دیت ادا کی جائے جو بچ جائے تو عاقلہ پر کچھ واجب نہیں ہاں جو وہ چاہیں ۔ اور غلام کی دیت غلام سے ہر اس قصد میں لی جائے گی جو نفس انسانی کے ضیاع یا اس سے کم تک پہنچ جائے، پھر اگر وہ قتل پر صلح کر لیں تو مقتول کی قیمت قاتل یا زخمی کرنے والے کے مالکوں پر لازم ہوگی “۔17ے

اسی طرح کنزل العمال میں حضرت عمر کے چند فیصلے وارث کے قصاص کے متعلق ذکر ہوئے ہیں جو وراثت میں قصاص و دیت کے فیصلوں کی نظیر ہیں :

” ابن وھب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے سامنے ایک ایسے شخص کا مقدہ پیش ہوا جس نے کسی شخص کو قتل کیا تھا تو مقول کے وارثوں کو قتل کرنے کا اراد ہ کر لیا ، مقتول کی بہن کہنے لگی جو قاتل کی بیوی تھی میں نے اپنے حصہ اپنے خاوند کو معاف کر دیا تو حضرت عمر نے فرمایا یہ شخص قتل سے چھوٹ گیا اور سب کے لئے دیت (لینے) کا فیصلہ کیا “۔18ے

اس ضمن میں دوسری روایت ہے :

” حضرت عمر سے روایت ہے فرمایا : بادشاہ مقتول کے ذمہ دار کو معاف کرنے سے اگروہ چاہے یا دیت لینے سے جب وہ صلح کرلیں ، نہ روکے اگر وہ انکار کرے اور تحقیق سے قتل عمد کا ثبوت مل جانے کے بعد ہو تب “-19ے

حضر ت عمر کی عدالت میں ایک ایسے مرد کا مقدمہ پیش ہوا جس نے ایک عورت کو قتل کیا تھا تو آپ۰ نے اس عورت کے بدلے اس مرد کو قتل کر دیا یہ روایت کنزل العمال میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے :

”قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک عورت کے بدلہ میں ایک مرد کو قتل کیا“-20ے

جانور کے ہلاک کرنے کے متعلق حضرت عمر نے ضمان یعنی تاوان مقرر فرمایا اس کے متعلق کنزل العمال کی روایت ہے :

”اسود بن قیس اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں : کہ ایک لڑکا زید بن مرجان کے گھر میں داخل ہوا جسے زید کی کسی اونٹنی نے مار کر ہلاک کر دیا ادھر لڑکے کے ورثاء نے اونٹنی کی کونچیں (ٹانگیں) کاٹ دیں پھر یہ لوگ حضرت عمر کے پاس فیصلہ کرانے آئے ، آنے لڑکے کا خون رائیگاں قرار دیا اور باپ پر اونٹی کی قیمت (بطور ضمان) واجب کی“-21ے

عدلیہ کی فاروقی کے بے لاگ و بے نظیر عدل کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ لونڈی کے بدلے آقا کو سزا دی گئی جس کا ذکر کنزل العمال کی مذکورہ روایت میں آیا ہے :

”حضرت ابن عباس سے روایت ہے فرمایا : ایک لونڈی حضرت عمربن خطاب کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی ، کہ میرے آقا نے مجھے پر تہمت لگائی اور مجھے آگے پر بٹھایا جس کی وجہ سے میر ی شرمگاہ جھلس گئی تو حضرت عمر نے اس سے فرمایا اس نے کوئی چیز دیکھی؟ وہ بولی نہیں ، آپ نے فرمایا تم نے اس کے سامنے کوئی اعتراف کیا ؟ اس نے کہا نہیں حضرت عمر نے فرمایا : اس شخص کو میرے پاس لاؤ ، حجرت عمر نے جب اس شخص کو دیکھا توفرمایا : کیا تم اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا چاہتے ہو ؟ وہ کہنے لگا ، امیر المومنین ! میں نے اس پر تہمت رکھی ہے ، آپ نے فرمایا : تم نے کوئی چیز دیکھی ؟ اس نے کہا : نہیں ، آپ نے فرمایا : اس نے تمہارے سامنے کوئی اعتراف کیا ؟ اس نے کہا نہیں ، آپ نے فرمایا : اللہ کی قسم اگر میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ غلام کا بدلہ آقا سے اور بیٹے کا بدلہ باپ سے نہ لیا جئے تو میں تم سے اس کا بدلہ لیتا ، اور اسے سو کوڑے مارے اور لونڈی سے فرمایا جاؤ ، تم اللہ تعالیٰ کی خاطر آزاد ہو (آج سے) تم اللہ اور اس کے رسول کی باندی ہو ، میں گواہ ہوں میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا : جو آگے سے جلایا گیا یا اس کا مثلہ کیا گیا تو وہ آزاد ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا غلام ہے “-22ے

مذکورہ بالا مثال حضرت عمر فاروق کے بے لاگ انصاف اور عدالت کے ایک اہم فریضہ کہ بنیادی قوانین (قرآن و حدیث) کی روشنی میں کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ میں ذاتی اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے ۔ عہد فاروقی کی عدلیہ میں عدالت کا یہ فریضہ بھی نمایاں ہے ۔ عصر حاضر میں عدالتوں کا ایک اہم فریضہ قوانین کی تشریح کرنا انکو واضح کرنا اور پھر زیر غور مسئلہ میں ان کا اطلاق کرکے تعزیرات کا تعین کرنا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر نے حلالہ کا سدباب فرمایا اور عدالتی امور میں قرآن و سنت جو کہ دین اسلام کی بنیادی اور آئینی قوانین کی روشنی ذاتی اجتہاداس مسئلہ کا حل فرمایا :

"علامہ ابن تیمیہؒ نےفرمایا : " حضرت عمر نے تین طلاق نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ حلالے کا دورازہ بھی بند کردیا تھا ۔ مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ یہ اگر ایک طرف تین طلاق کے ایک دفعہ دینے پر اس کا نفاذ کا فتویٰ دیتے ہیں تو دوسری طرف ان میں سے اکثر حلالے کا دروازہ بھی کھول دیتے ہیں کیونکہ جب ایک آدمی کو اپنی بیوی حاسل کرنے کے لیے حلالے کے سواکوئی چارہ نظر نہیں آتا تو وہ ھلالے کے لیے جدوجہد کرتا ہے لیکن صحابہ کرام حلالے کو کیسے روا کر سکتے تھے ؟ "۔23ـہ

حضرت عمر کے عدلیہ کے معاملات میں فراست ضرب المثل ہے ۔ آپ عدل و انصاف کے حوالے سے انہتائی محتاط تھے ۔ عدالتی معاملات میں تفتیش اور تحقیق کے معاملہ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب میں آپ کی عدالتی تفتیش سے متعلق درج ذیل تصریح فرمائی ہے :

"لیث بن سعدؒ روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کے پاس ایک بے ریش نوجوان کی لاش لائی گئی جس کو قتل کرنے بعد راستے میں پھینک دیا گیا تھا ۔ حضرت عمر اس واردات کی تفتیش کرتے رہے لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا ۔ آپ نے دعا کی " اے اللہ! مجھے اس کے قاتل پر قابو عطا کر" یہاں تک کہ ایک سال کے لگ بھگ عرص گزر گیا کہ اسی جگہ جہاں اس نوجوان کی لاش ملی تھی ایک نو مولود بچہ پڑا ہوا ملا ۔ اس بچے کو حضرت عمر کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا اب مجھے قاتل کا پتہ چل گیا ہے (انشاء اللہ) یہ کہہ کر حضرت عمر نے بچے کو ایک عورت کے حوالے کیا ۔ اور اسے حکم دیا کہ اس کی دیکھ بھال کر اور اس کے اخراجات ہم سے لیتی رہ ۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ کون تجھ سے آکر یہ بچہ لیتا ہے ۔ اگر کوئی عورت اس بچے سے پیار کرے اور اسے سینے سے چمٹائے تو ہمیں اس عورت کا پتہ بتانا جب لڑکا بڑا ہوگیا تو ایک لونڈی اس عورت کے پاس آئی اور کہا میری مالکہ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ اس بچے کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ میر مالکہ اس کو دیکھ کر واپس بھیج دے گی ۔ اس عورت نے کہا ٹھیک ہے اس بچے کو لیجاؤ۔ میں بھی تمہارےساتھ چلتی ہوں ۔ وہ لونڈی اس بچے کو لے کر چلی وہ عورت بھی اس کے ساتھ ہئی ۔ جب لونڈی اپنی مالکہ کے پاس پہنچی اور اس کی مالکہ نے اس بچے کو دیکھا تو اسے بہت پیا کیا اور

سینے سے چمٹالیا ۔ معلوم ہوا کہ یہ عورت انصاریہ ایک بوڑھے صحابی کی بیٹی ہے ۔ عورت نے حضرت عمر کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا ۔ حضرت عمر نے تلوار اٹھائی اور اس عورت کے گھر پہنچے وہاں اس کے باپ کو دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے پایا ۔ حضرت عمر نے اس سے کہا اے شخص پتہ ہے تیری فلاں لڑکی نے کیا کیا ہے ؟ بوڑھے صحابی نے جواب دیا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ اس لڑکی کو جزائے خیر دے وہ تو سب زیادہ اللہ تعالیٰ اور اپنے باپ کے حق کو پہچاننے والی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صوم و صلوٰۃ کو بہترین طریقے سے ادا کرنے والی ہے اور امور دین کی پابند ی کرنے والی ہے ۔ حضرت عمر نے فرمایا میں اس لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ نیکیوں کی طرف اور رغبت دلا سکوں "۔ وہ بوڑھے صحابی حضرت عمر کو ساتھ لے کر اپنی لڑکی کے پاس آئے ۔ آ پ نے بوڑھے صحابی سے کہا آ پ یہاں سے چلے جائیے ۔ جب حضرت عمر اور لڑکی اکیلے رہ گئے تو حضرت عمر نے تلوار کھینچی اور کہا سچ سچ بتا ورنہ تیری گردن اڑا دوں گا ۔ حضرت عمر کبھی جھوٹی دھمکی نہیں دیتے تھے ۔ لڑکی نے کہا آپ خاطر جمع رکھیں میں تمام بات سچ سچ بتائے دیتی ہوں ۔ ایک بوڑھی عورت میرے پاس آیا کرتی تھی میں نے اسکو ماں بنا رکھا تھا وہ بھی مجھ سے ماؤں جیسا ہی سلوک کیا کرتی تھی اور میں اسکی بیٹھی کی جگہ تھی اس طرح ایک عرصہ گزر گیا ۔ ایک مرتبہ اس نے کہا اے بیٹی مجھے ایک سفر درپیش ہے اور اصل میری ایک بیٹی ہے وہ ایسے مقام پر ہے کہ مجھے اس معاملے میں خدشات نے گھیر رکھا ہے میں چاہتی ہوں کہ جب تک میں سفرسے واپس نہ لوٹوں اسے تمہارے پاس بھیج دوں ۔ اس نے میرے پاس ایک نوجوان لڑکے کو بھیجدایا جس کی ابھی میسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ اس کی شباہت بالکل لڑکیوں جیسی تھی جس کی وجہ سے مجھے اس میں قطعاً شبہ نہیں تھا کہ وہ ایک لڑکی ہے اور وہ بھی لڑکیوں کی طرح میرا ہمراز رہا ۔ ایک دن اس نے مجھے سوتے میں غافل پایا اور میرے ساتھ زبردستی کر لی میں نے قریب پڑی ہوئی اس چھری سے اس کو قتل کر دیا پھر اس کی لاش اس جگہ پھینکوا دی جہاں سے آپ نے اٹھوائی تھی ۔ لیکن مجھے اس کا حمل ٹھہر گیا اور میں نے اس بچے کو جنم دیا ۔ اس کے بعد میں نے نومولود بچے کو بھی وہیں پھینک دیا ۔ جہاں اس کے باپ کی لاش پھینکی تھی ۔

خدا کی قسم ! یہی تھے تمام واقعات جو میں نے بلاکم وکاست آپکی خدمت میں بیان کر دیئے ہیں حضرت عمر نے فرمایا تو سچ کہتے ہے ۔ پھر لڑکی کو نیکی تلقین کی اور اس کے لیے دعا کی اور باہر نکل آئے ۔ اس کے باپ سے کہا کہ آپ کی بچی بہت اچھی ہے ۔ اور پھر چلے گئے‘‘۔24ے

مذکورہ بالا روایت سے حضرت عمر کے عہد کی عدلیہ میں مروج تفتیش کے طریقہ کا ر کا پتہ چلتا ہے۔ انصاف کی فراہمی کے لیے حضرت عمر حددرجہ محتاط تھے ۔ عدالتی تفتیش کو کما حقہ اس کے انجام تک پہنچایا ۔ یہی وجہ ہے کہ

حضرت عمر کے عہد کے متعلق یہ مشہور ہے کہ بھیڑ اور بھیڑیا ایک ہی گھاٹ سے پانی پیا کرتے تھے ۔

حضرت عمر نے اسلامی ریاست کے ہر ضلع میں قاضی مقرر کر رکھے تھےجس سے بخوبی شعبہ عد ل انتظامات کو نمٹایا جاتا تھا کوئی بھی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا ۔ اس طرح اسلامی ریاست کے آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی ۔ جس سے بروقت اور فوری انصاف کی فراہمی کوئی خلل واقع نہ ہوتا تھا ۔ اس ضمن میں محمد عبد اللہ مدنی صاحب نے درج ذیل تصریح فرمائی ہے :

’’آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا ۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کرلیا کریں اس لیے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا‘‘۔25ـہ

حضرت عمر نے قضا کا ادارہ قائم کرکے رشوت کے انسداد کے لیے بھی اقدامات اٹھائے اور تمام حکام کو تحریر طور پر مطلع کیا گیا کہ رشوت سے بچیں ۔ اسی طرح قضاۃ کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ انہیں کسی بھی قسم کا معاشی احتیاج انصاف سے نہ روک سکے ۔ بلکہ یہاں تک کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہوتا اسے قاضی مقرر نہیں کیا جاتا تاکہ عدلیہ کے شعبہ کو رشوت جیسے قبیح فعل سے پاک کیا جاسکے ۔ اس کے ساتھ ساتھ قضاۃ تجارت اور خرید وفروخت سے بھی منع فرمادیا گیا تھا تاکہ رشوت کی ہر صورت کا سدباب کیا جاسکے۔ قاضی شریح کی بطور قاضی کے تقرری کے وقت حضرت عمر نے درج ذیل احکام جاری فرمائے:

”لا تشتر ولا تبع ولا ترتش“-26ـہ

’’نہ کچھ خریدو ، نہ کچھ بیچواور نہ رشوت لو‘‘۔

عدالتی فیصلوں اور مقدمات میں شہادت کو معتبر بنانے کا ایک بہت بڑا ذریعے متعلقہ شعبہ کے ماہرین فن سے شہادت لی جائے ۔ یعنی جو مقدمہ پیش ہوا ہے اور اس کا تعلق ایک خاص امر سے ہے اس امر کے متعلق جو ماہرین ہے اس سے رائے لی جائے حضرت عمر نے مقدمات کی سماعت کے دوران اس کا بھی اہتمام فرمایا ۔

عہد فاروقی کی عدلیہ نہایت ہی سادہ نوعیت کی تھی تاہم مقدمات ضبط تحریر میں نہیں لائے جاتے تھے ۔ لیکن بعض اہم مقدمات کو مستقبل میں بطور نظیر کے ضبط تحریر میں بھی لا یا گیا ہے ۔ جیسا کہ ابوداؤد کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے ۔

"حدثنا عبد اللہ بن عمرو ابن ابی الحجاج ابو معمر: حدثنا عمرو بن شعیب ، عن ابیہ، عن جدہ: ان رئاب بن حزیفۃ تزوج امراۃ فولدت لہ ثلاثہ غلمۃ فماتت امھم فورثوھا رباعھا وولاء موالیھا، وکان عمرو بن العاص عصبۃ بینھا، فاخرجھم الی الشام فماتوا، فقدم عمروبن العاص ومات مولی لھا وترک مالا لہ فخاصمہ اخوتھا الی عمر بن الخطاب، فقال عمر: قال رسول اللہ :ما احرز الولد او الوالد فھو لعصبتہ

من کان، قال: فکتب لہ کتاب فیہ شہادۃ عبد الرحمن بن عوف وزید بن ثابت ورجل اخر، فلما استخلف عبد الملک اختصموا الی ہشام بن اسماعیل ۔ او الی اسماعیل بن ہشام ۔ فرفعھم الی عبد الملک فقال : ہذا من القضاء الذی ما کنت اراہ۔ قال: فقضی لنا بکتاب عمر ابن الخطاب فنحن فیہ الی الساعۃ"۔27ـہ

” جناب عمر و بن شعیب انے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رئاب بن حذیفہ نے ایک عورت سے شادی کی ، تو اس سے ان کے تین لڑکے پیدا ہوئے ، پھر ان کی ماں فوت ہوگئی تو وہ بچے اپنی ماں کے گھروں اور غلاموں کے ولاء کے وارث ہوئے ۔ حضرت عمرو بن العاص ان بچوں کے عصبہ تھے ۔ (یعنی وارث تھے) وہ انہیں شام لے گئے جو وہاں جاکر فوت ہوگئے ۔ (یہ بچے طاعون عمواس میں فوت ہوئے تھے) حضرت عمرو بن العاص واپس آئے جبکہ اس عورت کا ایک غلام بھی وفات پا گیا اور مال چھوڑ گیا تھا۔ تو عورت کے بھائیوں نے حضرت عمرو بن العاص سے (اپنی بہن کے ولاء کے سلسلے میں) جھگڑا کیا اور معاملہ حضرت عمر بن خطاب کے سامنے پیش کیا ۔ تو حضرت عمر نے کہا : رسول اللہ نے فرمایا ہے : " بیٹے نے یا باپ نے جو بھی جمع کیا ہو وہ اس کے عصبہ کا ہوتا ہے جو بھی ہوں ۔" چنانچہ انہوں نے (اس فیصلے کی * ایک تحریر لکھی جس میں حضرت عبد الرحمن بن عوف ، زیدبن ثابت اور ایک اور آدمی کی گواہی ثبت کی ۔ پھر جب عبد الملک خلیفہ ہوئے تو عورت کے بھائیوں نے یہ مقدمہ ہشام بن اسماعیل یا اسماعیل بن ہشام کے سامنے پیش کیا ۔ اس نے ان کو عبد الملک کے ہاں بھیج دیا ۔ تو عبد الملک نے کہا : یہ ہی فیصلہ ہے جو میرا خیا ل ہے کہ میں پہلے دیکھ چکا ہوں ۔ چنانچہ اس نے حضرت عمر بن خطاب کی تحریر کے مطابق ہمارے حق میں فیصلہ کر دیا اور اب تک ہم اسی میں ہیں “۔

عہد فاروقی میں ہی مقدمات کے درج کرنے کی روایت شروع ہوئی اور آپ نے خاص خاص مقدمات کو ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام فرمایا ہے۔ تاکہ ان مقدمات سے مستقبل میں پیش آنے والے مسائل کا تصفیہ کیا جاسکے ۔ اور عدالتی معاملات میں قیاس و اجتہاد سے کام لیتے ہوئے مسائل کا حل نکالا جاسکے ۔ ایسے عدالتی فیصلے عدالتی تشریحات کے طور پر محفوظ ہو کرے قانون کی تشریح کاکام کرتے اور مقدمات کے نمٹانے میں آسانی پیدا کرتے ہیں ۔

حضرت عمر فاروق کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذہن رسا اور دور اندیش عقل و دماغ اور اپنی بصیرت کی وجہ سے وہ کارنامے انجام دیئے جن کا اس ماحول میں تصور تک نہ تھا اور جو صدیوں بعد شروع ہوئے، گویا جیسے سیدنا عمر اس صدی کے انسان نہ ہوں بلکہ بعد کی کسی صدی میں جی رہے ہوں اورر اس کے ماحول کے لحاظ سے سوچ رہے ہوں ۔ اس طرح کے کارنامے بے شما ر ہیں جنہیں آج ہم تعجب و حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اہل ایمان بلکہ غیر مسلم (مستشرقین) بھی آپ کی عظمت اور دور اندیشی کے معترف ہیں۔

3۔ حضرت عثمان غنی کا عدالتی نظام :

خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان نہایت ہی نرم دل خلیفہ تھے ۔ آپ کی نرم طبعی سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں ۔ یہی وجہ تھی کہ سرکش اور شورش پسند لوگوں نے آپ کی اس نرم طبعی کا فائدہ اٹھایا اور ہر طرف سے شورش برپا کرکے فساد انگیزی پھیلائی جو آپ کی شہادت پر منتج ہوئی ۔

آپ کے عہد میں جو عدالتی نظام رائج تھا وہ وہی نظام تھا جو عہد فاروقی میں رائج تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی سوائے اس کے حضر ت عثمان نے عدالتوں کی کاروائی جو کہ پہلے مسجد میں ہوا کرتی تھی اب مساجد سے اس کے مقام کو تبدیل کرے کے شعبہ قضا کے لیے علیحدہ سے عمارات تعمیر کروائیں اور عدالت کی کاروائی اسی میں ہوا کرتی تھی ۔

ذیل میں حضرت عثمان کے عہد کے چند فیصلے رقم کیے جارہے ہیں ۔ کنزل العمال میں آپ کے فیصلوں کے متعلق درج ذیل روایت آئی ہے :

> ” ابو عیاض حضرت عثمان بن عفان اور زیدن بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ سخت دیت میں چالیس چارسال والی حاملہ اونٹیاں اور تیس تین سالے اور تیس دو سالے ہیں اور قتل خطا میں تیس تین سالے اور تیس دو سالے اور بیس دوسالے مذکر اور بیس ایک سال والے مونث“ ۔28ـہ

اسی طرح کنزالعمال کی ایک اور روایت انگلیوں کی دیت کے باب میں رقم ہوئی ہے جس کا ذیل میں تذکر کیا جارہا ہے :

> ”سعید بن المسیب سے روایت ہے فرمایا : کہ حضرت عمر انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی میں ہتھیلی کی نصف دیت مقرر کرتے اور صرف انگوٹھے میں پندرہ اونٹ اور اس کے ساتھ والی انگلی میں (علیحدہ) نو اونٹ مقرر کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان بن عفان کا دور آیا تو آپ کو نبی کریم کا وہ خط ملا جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھوایا تھا جس میں تھا ، انگلیوں میں دس دس اونٹ تو حضرت عثمان نے اسے دس دس بنا دیا“۔29ـہ

اسی طرح ابن المسیب سے ایک اور روایت بھی ہے جس میں دیت کے متعلق حضرت عثمان کے تعزیری اختیار و رجحان کا ذکر کیا گیا ہے :

> ”ابن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عثمان اور زید نے فرمایا : شبہ عمد میں چالیس چار سالہ سے نو سال کی حاملہ اونٹنیاں اور تیس تین سالے اور تیس دو سالہ “۔30ـہ

اسی طرح ابو داؤد کی کتاب الدیات میں حضرت عثمان کے قضاء سے متعلق فیصلے کا ذکر موجود ہے :

” حَدَّثَنَا محمد بن المثنی : حدثنا محمد بن عبد اللہ : حدثنا سعید عن قتادۃ ، عن عبد ربہ، عن ابی عیاض ، عن عثمان بن عفان و زید بن ثابت: فی المغلظۃ اربعون جذعۃ خلفۃ و ثلاثون حقۃ و ثلاثون بنات لبون، وفی الخطاء ثلاثون حقۃ وثلاثون بنات لبون و عشرون (بنی) لبون ذکور و عشرون بنات مخاض“31ـ

” حضرت عثمان بن عفان اور زید بن ثابت سے مروی ہے کہ مغلظ دیت کی تفصیل یہ ہے کہ چالیس اونٹنیاں چار سالہ اور حاملہ ، تیس اونٹنیاں تین سالہ اور تیس اونٹنیاں دو سالہ ہوں اور قتل خطا میں تیس اونٹنیاں تین سالہ ، تیس اونٹنیاں دو سالہ ، بیس اونٹ مذکر دو سالہ اور بیس اونٹنیاں ایک سالہ “۔

آپ نے اگرچہ کچھ صوبوں کے گورنروں کو معزول کرکے ان کی جگہ نئے والی مقرر کئے تھے ، لیکن حضرت عمر کے مقرر کئے ہوئے کسی قاضی کو نہیں بدلا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عہد عثمان کی عدلیہ انہی خطوط پر استوار رہی جن پر حضرت عمر نے عدلیہ کی تشکیل فرمائی تھی زمانی قرب کے سبب بھی ایسا ہی رہا۔

4۔ حضرت علی کا عدالتی نظام :

حضرت علی بھی اپنے عہد کے اعلیٰ پایہ کے قاضی تھی ۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق عہد فاروقی میں انہیں قاضی مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت عمر آپ کی عدالتی فہم و فراست سے بہت متاثر تھے نیزرسول کریم نے بھی اپنے عہد میں انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا ۔ جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے اس متعلق اپنی کتاب میں درج ذیل تصریح فرمائی ہے :

” ایک روایت کے مطابق حضرت عمر نے حضرت علی کو اپنے دور میں قاضی مقرر کیا تھا ۔ وہ اپ کے عدالتی نظام کی سوجھ بوجھ سے کافی متاثر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضر ت علی ہم سب میں سے علم قضاء کے بہت بڑے عالم ہیں ۔ اس لئے رسول اللہ نے خود انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا “۔32ـ

حضرت علی کے عہد کے چند عدالتی فیصلے ذیل میں نقل کیے جارہے ہیں جن سے اس عہد کے عدلیہ کی نوعیت سمجھنے میں آسانی ہوسکے گی اور اسی کی بنا پر اصول و فروعات کا تعین بھی کیا جاسکے گا۔ الوکیع نے اپنی کتاب میں حضرت علی کی عہد کا ایک اہم واقعہ ذکر کیا ہے جس کا ذکر ذیل میں کرنا بے جا نہ ہوگا :

” حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی تو ایک عام آدمی کی طرح اس کے خلاف قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ۔ قاضی نے حضرت علی سے ثبوت طلب کیا لیکن وہ قانون عدل کے مطابق ثبوت پیش نہ کر سے ۔ اس لیے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا ۔ یہودی نے مقدمہ تو جیت لیا لیکن اس بات نے اسے اس قدر متاثر کیا کہ اسی بنا پر وہ برضا ورغبت ایمان لا کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا کہ صدر حکومت نے عام شہری

کی طرح عدالت میں استغاثہ دائر کیا اور جج نے ان سے کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا نہ رکھا "-33ـہ

عدل و انصاف کی یہ وہ اعلیٰ مثال ہے جس کی نظیر دنیا کی متمدن اقوام اور تاریخ دونوں پیش کرنے سے قاصر ہیں ۔ قانونی مساوات کی اس مثال سے غیر مسلم اسلام قبول کرتے تھے ۔ موجودہ عہد کی تہذیب ترقی کے باوجود بھی اس کی نظیر نہیں ملتی ۔

اسی طرح علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں حضرت علی المرتضیٰ کے عہد کے چند واقعات رقم فرمائے ہیں جن کا ذکر ذیل میں پیش کیا جارہا ہے :

" زربن جیش کہتے ہیں کہ دو شخص صبح کے وقت کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تھے ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں ، اتنے میں ادھر سے ایک شخص گزرا اس نے سلام علیک کہا انہوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا اور تینوں نے وہ تمام آٹھ روٹیاں کھالیں اس تیسرے شخص نے جاتے وقت آٹھ درہم ان دونوں کو دئیے اور کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھایا ہے یہ اس کی قیمت ہے ۔ تم دونوں اس کو آپس میں تقسیم کرلینا ، ان دونوں میں سے رقم کی تقسیم پر جھگڑا ہوگیا ۔ پانچ روٹیوں والے نے کہاکہ میں پانچ درہم لوں گا اور تین درہم تمہارے ہیں کہ تمہاری صرف تین روٹیاں تھیں لیکن تین روٹیوں والے نے کہا کہ یہ روٹیوں کی تعداد کا معاملہ نہیں ہے رقم نصف نصف تقسیم ہوگی ۔ یہ دونوں یہ قضیہ لیکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے مقدمہ سن کر روٹیوں والے سے کہا کہ یہ میں اس غیر منصفانہ فیصلہ پر راضی نہیں ہوں ۔ حضرت علی نے فرمایا کہ یہ فیصلہ غیر منصفانہ نہیں ہے ورنہ تم کو ایک درہم اور تمہارے دوسرے ساتھی کو سات درہم ملیں گے یہ سن کر اس شخص نے کہا سبحان اللہ یہ فیصلہ ہوا آپ مجھے سمجھا دیجیے ۔ پس حضرت علی نے فرمایا کہ آٹھ روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے تم تین آدمیوں نے کھائے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کس نے کم کھائے اور کس نے زیادہ اس لئے اپنی روٹیوں کے برابر حصے کر لو پس تمہاری تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے تم نے آٹھ ٹکڑے کھائے اور تمہارے صرف ایک ٹکڑا باقی بچا اور تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے 15 ٹکڑے ہوئے جس میں سے اس نے بھی منجملہ ان چوبیس ٹکڑوں سے صرف آٹھ ٹکڑے کھائے اور اس کے سات ٹکڑے بقی بچے ۔ اس طرح مہمان نے تمہارے روٹیوں سے صرف ایک ٹکڑا اور تمہارے ساتھی کی روٹیوں سے سات ٹکڑے کھائے اس لئے تم کو ایک ٹکڑے کے عوض ایک درہم اور تمہارے ساتھ کے سات ٹکڑوں کے عوض سات درہم ملنا چائیں۔ تفصیل سننے کے بعد اس جھگڑنے والے شخص نے آپ کے فیصلے کو قبول کر لیا "- 34ـہ

کنزل العمال میں حضرت علی کے ایک تعزیری اجتہادی فیصلہ کے متعلق درج ذیل روایت آئی ہے :

"قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا : کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور پکڑنے والے کو موت تک قید کیا جائے "۔35۔

مذکورہ بالا روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قاضی کے پاس تعزیری اختیارات موجود ہوتے ہیں جن کا استعمال وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی ذاتی اجتہاد کی بنا پر کر سکتا ہے۔ حضرت علی نے اسی اختیار کا استعمال کرتے ہوئے قاتل کی معاونت کرنے والے کو عمر بھر قید کی سزا سنائی ۔

امام سیوطی نے ایک اور روایت حضرت علی کے عدالتی فیصلوں سے متعلق نقل فرمائی ہے آپ نے لکھا ہے :

" ابن ابی شیبہ نے بحوالہ عطا لکھا ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک مرتبہ ایک شخص پر دو شخصوں نے چوری کی گواہی دی آپ نے تفتیش حال فرمائی اور فرمایا کہ میں جھوٹے گواہوں کو سخت سزا دوں گا اور جب کبھی میرے پاس جھوٹے گواہ آئے ہیں میں نے ان کو سخت سزائیں دی ہیں پھر آپ نے ان دونوں گواہوں کو شہادت کے لئے طلب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں ، پس آپ نے ملزم کو بری کر دیا"۔36۔

مذکورہ بالا فیصلہ بھی تعزیری اختیارات کی ایک عمدہ مثال ہے ۔ جرم ثابت نہ ہونے پر ملزم کو رہا کر دیا گیا اور جھوٹے گواہان کے خلاف کاروائی کا حکم صادر فرمایا گیا ۔

حضرت علی نے محکمہ قضا کا باقاعدہ علیحدہ محکمہ قائم فرما کر قضاۃ کے معقول تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ تاہم اس عہد کے اکثر قاضیونپر تقویٰ اتنا غالب تھا کہ انہوں نے اپنے ضروریات سے زیادہ لینا گوارا نہ کیا ۔ ایک روایت کے مطابق آپ قاضی سلیمان بن ربیعہ باہلی کی تنخواہ پانچ سو درہم مقرر فرمائی جو اس عدہ کے اعتبار سے خاصی بڑی رقم تھی ۔

خلافت راشدہ کے باسعادت دور میں عدالتی نظام ، عہد رسالت کے عدالتی نظام کا مکمل نمونہ تھا ۔ مساوات اسلامی کے اصول کی اس سختی سے پابندی کی جاتی تھی کہ خود خلیفہ وقت رعایا کے ایک عام فرد کی طرح عدالت میں حاضر ہوتا ۔ اور اگر ان کا کوئی قریبی رشتہ دار کسی جرم کا مرتکب ہوتا تو اسے عام لوگوں کی نسبت سخت سزادی جاتی ۔ تاہم اس عہد کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت عمر نے اسلام میں پہلی دفعہ جیل خانوں کا آغاز کیا اور اس مقصد کے لئے آپ نے مکۃ المکرمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چارہزار درہم میں خرید لیا تھا ۔ دوسرا اضافہ حضرت عثمان کا تھا کہ انہوں نے عدالتی نظام کے لئے علیحدہ عمارتیں بنوائیں جو دار القضاء کے نام سے مشہور ہوئیں ۔ ان دونوں ادوار میں ایک فریق اپنا مقدمہ پیش کرتا اور جس کے خلاف دعویٰ کیا جاتا وہ اپنی صفائی پیش کرتا ۔ ان دو فریقوں کے علاوہ کسی تیسرے فریق کو ان کی وکالت کرنے کی اجازت نہ تھی۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ شہاب ، پروفیسر رفیع اللہ ، "اسلامی ریاست کا عدالتی نظام "، ص 90۔

2۔ علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، (مصنف) ،"کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال "، مولانا مفتی احسان اللہ شائق (مترجم) ، کتاب القصاص، ج15، ص 46۔

3۔ ایضاً ، کتاب القصاص ، ج15، ص 46۔

4۔ الکوفی ، الامام ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی (مصنف)، "مصنف ابن ابی شیبہ" ، مولانا محمد اویس سرور،(مترجم)، کتاب الدیات، رقم الحدیث ، 27380، ج8، ص 54۔

5۔ ایضا، کتاب الدیات ، رقم الحدیث 27481، ج8، ص 70۔

6 ۔ علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، (مصنف) ،"کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال "، مولانا مفتی احسان اللہ شائق ،(مترجم) ، کتاب القصاص ،رقم الحدیث 40145، ج 15، ص 47۔

7۔ ایضاً، کتاب القصاص ، رقم الحدیث 40140، ج15، ص47۔

8۔ ایضاً، کتاب القصاص ، رقم الحدیث 40142، ج15، ص47۔

9۔ اصلاحی ، مولانا امین احسن ،" اسلامی ریاست"، ص 140۔

10۔۔ شہاب ، پروفیسر رفیع اللہ ، "اسلامی ریاست کا عدالتی نظام"، ص 91۔

11۔قاضی امام ابو یوسفؒ،(مصنف)" کتاب الخراج "، مولانا نیاز احمد اکاڑوی(مترجم)، رقم الحدیث 315، ص402۔

12۔ ایضاً، رقم الحدیث 319، ص 404۔

13۔ مدنی ، محمد عبد اللہ ، "حضرت عمر□ کے فیصلے"، ص 150۔

14۔ ہیکل، محمد حسین ،(مصنف) "سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم □ "، حبیب اشعر(مترجم)، ص 594۔

15۔ مدنی ، محمد عبد اللہ ، "حضرت عمر□ کے فیصلے"، محولہ بالا ، ص 151۔

16۔ ابن القیم ، الامام شمس الدین محمد بن ابی بکر(مصنف) ، "اسلام میں عدل کے ضابطے" ، پروفیسر طیب شاہین لودھی(مترجم)، ص 55۔

17۔ علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، (مصنف) ،"کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال "، مولانا مفتی احسان اللہ شائق ،(مترجم)، کتاب القصاص ،رقم الحدیث 40149، ج 15، ص 48۔

18۔ ایضا ، کتاب القصاص ، رقم الحدیث 40156، ج15، ص 48۔

19۔ ایضا ، کتاب القصاص ، رقم الحدیث 40157، ج15، ص 48۔

20۔ ایضا، کتاب القصاص ، رقم الحدیث 40173، ج15، ص 50۔

21۔ ایضا، کتاب القصاص ، رقم الحدیث 40175، ج15، ص 50۔

22- ابن القیم ، الامام شمس الدین محمد بن ابی بکر ، "اسلام میں عدل کے ضابطے "، ص 56-

23- ایضاً ،ص 74-

24- مدنی ، محمد عبد اللہ ،" حضرت عمر کے فیصلے"، ، ص 153-

25- ایضاً، ص 158-

26- ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانیؒ (مصنف)" سنن ابو داؤد"، ابو عمار عمر فاروق سعیدی(مترجم)، کتاب الفرائض ، باب الولاء، رقم الحدیث 2917، ج3، ص351-

27- ا علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، "کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال "، کتاب القصاص ، رقم الحدیث 40319، ج15، ص 66-

28- ایضاً، رقم الحدیث 40343، ج 15، ص 68-

29- ایضاً، رقم الحدیث 40343، ج 15، ص 65-

30- ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانیؒ (مصنف)" سنن ابو داؤد"، ابو عمار عمر فاروق سعیدی(مترجم)، کتاب الدیات ، باب فی دیۃ الخطا شبہ العمد، رقم الحدیث 4554، ج4، ص470-

31- شہاب ، پروفیسر رفیع اللہ ،" اسلامی ریاست کا عدالتی نظام"، ص 100-

32- الوکیع، محمد بن خلف،" اخبار القضاۃ"، بیروت، ص 74-

33- السیوطیؒ، امام الحفاظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر (مصنف)، "تاریخ الخلفا"ء ، حضر شمس بریلوی،(مترجم)، ص 380-

34- علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، (مصنف) ،"کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال "، مولانا مفتی احسان اللہ شائق ،(مترجم)، کتاب القصاص ،رقم الحدیث 41095، ج 15، ص 52-

35- السیوطیؒ، امام الحفاظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر (مصنف)، "تاریخ الخلفا"ء ، حضر شمس بریلوی،(مترجم)، ص 381-